ڈاکٹر شاہدہ دلاور شاہ

اُردو زبان کا متنوع لسانی پس منظر اور چند مباحث

This paper discusses with reference to available literary data regarding the background of development of Urdu as a language referring to the contribution of people and their culture, tradition and usage. The historical perspective also explores its various avenues during Pre-British, British and post British period. At the end, Urdu as a language, carries various characteristics that directly or indirectly contributed for its development is deliberated.

انسان اور حیوان میں ایک ہی چیز ہے جو وجہ تفریق بنی اور وہ زبان ہے۔ زبان کا نظام ہزار ہا سال کے ارتقاء سے وضع ہوتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں زبان کا مسئلہ ازمنہ قدیم سے حل کرنے کی تگ و دو ہو رہی ہے۔ برصغیر پاک و ہند کا خطہ کثیر المذاہب، کثیر اللسان، کثیر التہذیب اور بے شمار مقامی بولیوں کا امتیازی وصف رکھتا ہے۔ ویسے تو کثرت کو جمہوریت اور جمہوری نظام کی بقاء سمجھا جاتا ہے کیونکہ کثرت فسطائیت اور انانیت کے خلاف ایک دفاعی حربہ ہوتی ہے۔ اگر ہم برصغیر پاک و ہند کے متنوع لسانی پس منظر کی تاریخ پر نظر ثانی کریں تو شواہد بتاتے ہیں کہ عہد قدیم سے ہی لسانی سطح پر یہ خطہ بے حد متنوع اور بوقلمونی کا شکار رہا ہے۔ مختلف جگہوں پر بولی جانے والی مختلف پراکرتیں ہی مذہبی، تہذیبی ، سیاسی تصادم اور بدلتے ہوئے تناظر میں سنسکرت کے زوال کا سبب بنتی رہیں۔ بدھ ازم اور جین ازم کا ویدک مذہب سے تصادم رہا۔ سنسکرت کو پالی نے مات دی۔ پراکرتوں کو اُپ بھرنشوں نے پس پشت کیا۔ انگریز کی آمد اور انکے دورِ اقتدار میں نو آبادیاتی حکمتِ عملی نے بھی لسانی بنیادوں پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ عہد وسطیٰ کی فکر و تصوراتی افتاد کی مظہر کے طور پر ہندی، ہندوی، ہندوستانی، ریختہ اور اردو کو فروغ حاصل ہوا۔ اس نئ فکری افتاد کی خوشخبری نیک سیرت فقیر اور صوفی دیتے ہوئے روایتی افکار و تصورات کے چیلنجز کے پول کھولتے رہے اور معاشرے کو چمٹے ہوئے انتشار و اختلاف کو اتحاد و وحدت سے ہمکنار کرتے رہے۔ اس کے علاوہ بھگتی اور صوفی ازم کی تحاریک کے ذریعے اصلاحی جدوجہد جاری و ساری رکھی۔ جس سے قوم و ملت اور خطے کو وحدت و شناخت ملی۔ روز ازل سے اردو کے خمیر میں عالمگیریت کے عناصر شامل رہے۔ اس وجہ سے یہ برصغیر پاک و ہند کے مختلف طبقہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے ابلاغ کا ذریعہ بنی رہی ہے اور صدیوں تک بغیر کسی خلل و رکاوٹ کے اپنے ارتقائی مراحل طے کرتی رہی۔ ہاں البتہ انگریز سرکار نے گاہے بگاہے لسانی سطح پر بھی اس سرزمین کی سالمیت و ہم آہنگی کو نقصان پہنچایا۔ اپنے مطلب کے لیے کچھ سطحوں پر انہوں نے اپنے مقاصد کا اسے ذریعہ بھی بنایا۔ کہیں کہیں کتب کی تالیف و ترجمے کا کام بھی کرایا مگر اردو ہندی تنازع کا جو بیج بویا گیا اس سے سوائے تعصب کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ یہ تصویر قیام پاکستان کے بعد والے مزاحمتی ادب میں صاف دکھائی دیتی ہے۔ اب گذشتہ ساٹھ ستر برسوں میں اردو کے خلاف عصبیت کی شدت میں کمی ضرور آئی ہے۔ اگرچہ روزگار اور تعلیم سے وابستگی کا معاملہ ہنوز توجہ مانگتا ہے۔ سرکاری سر پرستی نہ ہونے

کے برابر ہونے کے باوجود یہ زبان اپنی قوتِ بازو پر ترقی کے لیے کوشاں ہے۔

اگرچہ علاقائی زبانیں کہیں کہیں اردو جیسی بڑی زبان کو سپورٹ کرتی ہیں مگر کہیں کہیں اُن کی اپنی بڑھتی ہوئی مقبولیت بھی سوچنے پر مجبور کرتی ہے ۔ اردو زبان کی یہ خاصیت ہے کہ اس نے کسی علاقائی زبان کو نگلنے کی بجائے جیو اور جینے دو کا فارمولا اپنایا ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی فرماتے ہیں کہ'' اردو کی ابتداء پاکستان میں ہوئی۔ اس کی ادبی ترقی ، ادبی سرمایہ بیرون پاکستان تخلیق ہوا لیکن اس کا لسانیاتی نظام مقامی زبانوں سے مربوط ہے''۔[۱]

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ برصغیر پاک و ہند کی قدیم زبان سنسکرت تھی تو ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ اُسکو اُونچی ذات کے ہندوؤں نے تقدس کے حصار میں مقید کر رکھا تھا۔جس سے زبان کو مذہبی درجہ تو مل جاتا ہے مگر اس کا ارتقاء رُک جاتا ہے۔
اس کے برعکس ۔:

> ''اردو زبان کسی منصوبہ بندی کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ ایک لالہء خود رو ہے جس نے اپنی غذا ہند کے مختلف خطوں کے عوام سے حاصل کی اور اس کے اثمار وسیع پیمانے پر تقسیم کیے۔ اردو زبان اولمپک کی اس شمع کی طرح ہے جس کا الاؤ تو ایک مرکزی جگہ پر روشن ہوتا ہے لیکن جس کی روشنی نگر نگر، قریہ قریہ اور شہر شہر گردش کرتی ہے اور لوگوں میں زندگی اور تحریک کی لہر دوڑا دیتی ہے۔ چنانچہ اُردو کو مسلمانوں اور ہندوستانیوں کے معاشرتی امتزاج کا خوبصورت ترین ثمر قرار دیا گیا ہے۔''[۲]

مغل دور میں ترکی ، فارسی اور عربی کے حسین امتزاج سے اردو کو فروغ ملا۔ ہندی اور ہندکو کے لفظوں سے ان کی تہذیب کی شناخت ہوتی ہے۔ جب ہم دریائے سندھ کی تہذیب (Indus Valley Civilization) کو دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ سندھ اس علاقے میں شمال سے جنوب تک کے رقبے میں ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہے۔ یہی وجہ ہے تب سے اب تک کی تہذیب میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی اس لسانی پس منظر پر یوں رقمطراز ہیں:'' اردو کا لسانی پیکر ہند آریائی تھا۔لیکن اس کا ذخیرہ الفاظ کچھ اس طرح عربی اور فارسی سے مربوط تھا کہ اردو کی عام فضا اسلامی رنگ لیے ہوئے تھی''۔[۳]

اُردو زبان سابقہ اور موجودہ تہذیبوں کا سنگم ہے ان کے ارتقائی عمل میں سنسکرت، برج بھاشا، کھڑی ، اودھی، بنگالی، گجراتی، مراٹھی، تیلگو، سندھی، پنجابی، ترکی، عربی، فارسی، پشتو، انگریزی، فرانسیسی، روسی، چینی، یونانی، پرتگالی اور لاطینی کی وسعت سمٹی ہوئی ہے۔ کرشن چندر نے ایک مرتبہ اُردو ادب کی قومی یک جہتی کی روایات کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ:۔

''اُردو ادب شروع ہی سے ایک مشترکہ ہند آریائی تہذیب اور کلچر کا گہوارہ رہا ہے۔ اس کی ترویج و اشاعت میں ہندوؤں اور مسلمانوں ،سکھوں اور عیسائیوں نے مل جل کر حصہ لیا ہے اور یہ ایک ہندوستان گیر زبان ہے۔ اس نے اپنے دائرہ اثر میں ہر مذہب و ملت، ہر رنگ و نسل کے افراد کے محسوسات اور جذبات کو سمو کر انہیں ایسا ادبی رنگ و ادب عطا کیا ہے جس سے اس زبان کے ادب اور شاعری پر باہمی میل جول، رواداری، اتحاد، محبت، اخوت اور قومی یک جہتی کے جذبوں کی گہری چھاپ پڑ چکی ہے۔ ان ہی عناصر کی موجودگی نے اردو زبان کے ادب کو ایک سیکولر مزاج عطا کیا ہے۔ جو سارے ہندوستانی عوام کے جمہوری جذبے سے ہم آہنگ ہے۔''

زبانیں اور ادب معاشرے اور تہذیبوں کی پہچان ہوتے ہیں۔ اعلیٰ زبان اور ادب وہی ہوتے ہیں جو عوام اور انکے مسائل سے جڑے ہوتے ہیں۔عوام سے الگ ہو کر زبان یگانہ محض رہ جاتی ہے۔زبان اگر انسانیت سے ہم آہنگ نہ ہوگی تو وہ نادار ہو جائے گی اور پھر کوئی بھی استدلال اسے حیات نو دینے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ یہ اردو زبان کا خاصہ ہے کہ یہ ہمیشہ عوام سے جُڑی رہی ہے۔عوام کے درودیوار پر مہکی، عوام کے آنگن میں کھیلی، عوام کے مدد میں شریکِ کار رہی، عوام کی دلوں میں دھڑکی، عوامی جگہوں مثلاً خانقاہوں، مندروں، بتکدوں اور مسجدوں مناروں میں مہکی اور جب وطنِ عزیز پر مشکل آن پڑی تو قربانی کا پھندہ بھی چومنے کو لپکی۔ بقول رام پرشاد۔:

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے

دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

اب اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ انگریز سامراج نے سیاسی حربے استعمال کر کے اور اپنی فوجی طاقت کا استعمال کر کے سامراجیت کو پھیلایا۔ اردو کے اخبار و رسائل ہی غم زدہ عوام کے جذبات کی ترجمانی اور دلجوئی کرتے۔

ایک مرتبہ ایک اخبار نے ایک گورے حاکم کی عدالت کی کاروائی شائع کر کے اس بات کی بہت مذمت کی کہ جب ایک ہندوستانی انگریزی جوتے پہن کر کمرہِ عدالت میں داخل ہوا تو گورے سرکار نے حکم نامہ جاری کیا کہ وہ اپنے پہنے ہوئے جوتے اتارے اور اپنے سر پر رکھے۔ اسی طرح ایک اور واقعہ بھی مشہور ہوا جس میں ایک قاتل گورے کو گورے کی عدالت سے باعزت رہائی دلوائی گئی۔ جب اردو اخبارات نے نواب واجد علی شاہ کی معزولی کی مذمت کی اور اُن کی املاک کی نیلامی کو افسوس ناک واقعہ قرار دیا تو سرکار کو بُرا لگا۔ جب ملتان پر انگریز سرکار نے چڑھائی کی اور گورنر مول راج کو پھانسی کی سزا بھگتنا پڑی تو دِلی ؔاور اُتر پردیش کے اردو اخباروں نے غم و غصے کا اظہار کیا۔ مہاراجہ دلیپ سنگھ کی معزولی پر بھی اُردو اخبارات میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی بھٹی میں بھی اردو اخبارات و رسائل نے اپنے وطن کی مٹی کا ساتھ دیا۔

مولوی باقر علی جو کہ دِلیؔ کے روزنامہ اردو اخبار کے ایڈیٹر تھے وہ پہلے اخبار نویس تھے جنہوں نے خود جنگِ آزادی کی خبروں کی رپورٹنگ کی۔ اس کی پاداش میں اُنہیں لاکھوں مداحوں کی موجودگی میں تختہ دار پر لٹکایا گیا اور ظلم یہ کہ اس مقدمے کی سماعت کی کاروائی بھی کسی اخبار میں نہ دیکھی گئی۔ روزنامہ ''صادق الاخبار'' کا بھی یہی حشر کیا گیا۔ یوں اخبار بند ہوا۔ انگریز نے فرقہ وارانہ منافرت کے لیے پروپیگنڈے کے ہتھکنڈے سے لے کر کرائے کے ایجنٹوں کے طور پر مذہبی مجاوروں کو استعمال کر کے خوب خوب مقاصد حاصل کیے۔ تعلیمی اداروں کی کُتب میں انگریزی تعلیم اور حکومت کو نمایاں کیا جاتا جیسے ''ساتوں ولایتوں میں سکہ رواں ہمارا''۔ حکمرانوں کی من مرضی کے مطابق مذہبی کُتب کے تراجم کروائے گئے۔ اُردو اخبارات نے نو آبادیاتی نظام کے خلاف آواز اٹھائی۔ ایک طرف فرقہ وارانہ مذہبی منافرت، اقلیتوں کو آپس میں لڑانے کی سازشیں ہو رہی تھیں تو دوسری جانب اردو سے پیار کرنے والے لوگوں میں دوئی نظر نہیں آ رہی تھی۔ بھگت سنگھ نے تختہ دار پر چڑھنے سے ایک دن قبل اپنے بھائی کو کال کوٹھڑی سے اردو میں خط لکھا۔ مذہب کے نام پر مفادات کے حصول کی ہر اہل فکر مخالفت کرتا رہا۔ احمق پھپھوندی کے بقول۔:

شدھی ہے کہیں تبلیغ کہیں　　　ناقوس کہیں تکبیر کہیں
یہ بیچ نہ ہوں تو مشکل ہے　　　دم بھر کے لیے راج انگریزی

اسی طرح آنند رائن ملا نے کہا۔:

وطن کا ذرہ ذرہ ہم کو اپنی جاں سے پیارا ہے
نہ ہم مذہب سمجھتے ہیں نہ ہم ملت سمجھتے ہیں
دکھانا ہے کہ لڑتے ہیں جہاں میں باوفا ہو کر
نکلتی ہے زباں سے زخم کھا کر مرحبا کیوں کر
وطن پر جان دینے کو ہی ہم جنت سمجھتے ہیں

غیرملکی استبداد کا اُردو اور اُردو کے ماننے والوں نے خوب خوب مقابلہ کیا اور محبت و یگانگت، مشترکہ تہذیب اور آزادی و یکجہتی پیدا کرنے کی کوشش میں رہے۔ ایک طبقے نے اسے ایک فرقے کی زبان کہا تو ایک نے غیرملکی بولی قرار دے کر تنگ نظری کا مظاہرہ کیا۔ ان کے برعکس انجمن ترقی اردو کی شاخیں بیشتر ریاستوں میں قائم رہیں۔ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں مروجہ بول چال کی زبان کو'' اُردوے معلیٰ'' کے نام سے موسوم کر کے اس کی ساخت کو ٹھیک کرنے کی شعوری سعی کی گئی۔ یہ سچ ہے کہ اردو زبان نے وسعت قلبی سے غیرملکی اور علاقائی زبانوں کو نہ صرف اپنے پہلو میں جگہ دی بلکہ ان تمام زبانوں کے اوصاف کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہے۔ ظفرمحی الدین فرماتے ہیں۔:

> نئی تحقیق سے یہ بات عیاں ہو چکی ہے کہ اُردو بہت پہلے مہاراجہ اشوک کے دور سے مختلف چولے بدل کر ہم تک پہنچی اور اس کے بارے یہ گمان درست نہیں کہ یہ ایک نو خیز اور نو پختہ زبان ہے۔ برصغیر میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ہی عربی زبان اور اس کے بعد فارسی اور ترکی زبانوں نے اپنا دائرہ وسیع کرنا شروع کیا تو اُردو نے ان زبانوں کو بھی اپنے اندر جذب کرتے ہوئے فارسی رسم الخط میں ایک مکمل زبان کے طور پر اپنا وجود منوایا۔[۴]

ڈاکٹر سلیم فارانی نے تو اُردو کی موجودہ صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے اردو کی تشکیل نو میں غیرملکی زبانوں کے الفاظ کا دخیلی تناسب بھی بتا دیا ہے۔'' عربی 45 فیصد، فارسی 40 فیصد، سنسکرت 5 فیصد، انگریزی 5 فیصد، فرانسیسی اور پرتگالی 1 فیصد۔ اگر ملکی اور غیرملکی زبانوں کا تناسب دیکھا جائے تو اُردو میں غیرملکی زبانوں کے الفاظ تقریباً 87 فیصد اور برصغیر کی زبانوں کے الفاظ تقریباً 42 فیصد ہیں''۔[۵]

کہنے والوں نے کہا کہ یہ ایک مکمل زبان ہے کیونکہ اس میں ہر طرح کی آواز اور ہر نوع کا لحن ادا کرنے کی صلاحیت موجود ہے اور یہی مشترکہ اوصاف کی حامل زبان مضبوط زبان ہے۔ مولوی فضل حق فرماتے ہیں: '' ضروری ہے کہ اُردو کو اس کی قدرتی ترقی اور جائز جگہ لینے کا پورا پورا موقع دیا جائے۔ اس لیے کہ صرف اسی کے زریعہ سے ملک کی ایک مشترکہ زبان کی مسلمہ ضروریات کو پورا کیا جا سکتا ہے۔''[۶]

اگر اسلامی تناظر میں زبان اردو کو پرکھا جائے تو اُردو زبان اسلامی تہذیب وتمدن کی عکاسی ہے۔عربی کے بعد اُردو زبان میں ہی سب سے زیادہ اسلامی لٹریچر موجود ہے۔مسلمانوں کی الہامی کتاب قرآن مجید عربی زبان میں ہے اورعربی خروف تہجی اور اُردو کے حروفِ تہجی ملتے جلتے ہیں۔عربی زبان کی طرح اُردو بھی دائیں سے بائیں لکھی جاتی ہے۔[۷]

اُردو زبان کو نکھارنے سنوارنے اور اس کے پنپنے میں پنجاب کے علاقے کا خاصا کردار رہا ہے ۔ڈاکٹر وحید قریشی تو کہتے ہیں کہ تقسیم کے بعد اُردو کی حمایت میں پنجاب نے زیادہ حصہ لیا۔[۸]

''اُردو بولو' پہلی تحریک تھی جو لاہور سے شروع ہوئی۔''اُردو بولو' عوام میں مقبول بھی تھی اور اس تحریک کے مقاصد خاص میں بڑا مقصد یہی تھا کہ اس زبان کوعوامی زبان بنایا جائے اورعوام کے دلوں کی آواز صرف یہی زبان واحد ہو۔

مولانا صلاح الدین احمد چونکہ خود پنجابی نژاد تھے اور لاہور سے اردو کا پرچہ''ادبی دنیا'' شائع کرتے تھے''اُردو کو صحیح معنوں میں قومی زبان بنانے کا جوعظیم الشان کام اس نئی مملکت کے سامنے موجود ہے وہ اہل اقتدار کی بے نیازی اور مجرمانہ غفلت کے باوجود فرزندانِ پنجاب ہی کے ہاتھوں تکمیل پذیر ہوگا۔''[۹]

اس مسلّمہ حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ صرف اردو زبان ہی وقت، حالات اور غیرملکی سرکار کی ریشہ دوانیوں کا شکارنہیں ہوئی بلکہ عصبیت کا شکارکسی نہ کسی سطح پر ہندی زبان بھی ہوئی۔گورے کی لسانی سازشوں کے نتیجے میں اُردو اور ہندی میں بھی حد فاصل پیدا ہوئی۔ایک طرف یہ فاصلہ بڑھتا گیا تو دوسری سمت دفتری ہندی ہوتی چلی گئی۔

قصہ مختصر کہ سرکاری سرپرستی کی عدم توجہی کے باوجود اردو اپنی آب وتاب کے ساتھ باحیات ہے۔روزگار کے وافر مواقع تو نہیں مل پارہے مگر خاطر خواہ ترقی کی دوڑ میں پیچھے نہیں۔سرکاری سطح پر بے بال وپر ہونے کے باوجود، انتہائی تعصب کا سبب بننے کے باوجود اور بدلتے ہوئے سیاسی وسماجی حالات میں اردو کے حق میں فضاء سازگار دکھائی دیتی ہے۔ہمیں اس بات کا بخوبی ادراک ہو جانا چاہیے کہ جتنی آئینی حقوق کی بازیابی کی جدوجہد ضروری ہے اتنی ہی اُردو کی بقا اور فروغ کے لیے اُردو والوں کی جدوجہد اور سعی لازم ہے۔اس سارے لسانی پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے بین الاقوامی سطح پر ہماری بہت سی ذمہ داریاں بنتی ہیں۔

آج علاقائی سیاسی جماعتوں کی طرح علاقائی زبانوں سے بھی انکار ناممکن ہے۔اردو سے محبت کرنے والوں کو علاقائی زبانوں سے تعصب کی بجائے محبت سے کام لیتے ہوئے ان سے گٹھ جوڑ پکا کرنا چاہیے۔اُنکی تحاریک کی حمایت میں ووٹ دے کر اپنی بقا کے راستے ہموار کرنا ہوں گے۔علاقائی زبانوں سے نہ تو اردو کو کوئی خطرہ لاحق ہے اور نہ کوئی خوف ہے کیونکہ جہاں جہاں اُردو کا قیام رہا علاقائی زبانوں کے اخراج یا انحراف کی تحریک نے کبھی دم نہیں مارا۔اسی طرح ان زبانوں سے کبھی اُردو کی پاکدامنی پر حرف نہیں آیا۔دونوں خود رو پودوں کی مانند برابر پھلتی پھولتی ہیں۔ہمیں ایسی فضاء سے نہ صرف لطف اندوز ہونا چاہیے بلکہ فائدہ اٹھانا چاہیے۔

دیگر زبانوں کی نسبت اُردو دوسری زبانوں کے لفظ اپنے اندر سمونے میں تنگ دامنی کا مظاہرہ نہیں کرتی بلکہ وسعت قلبی سے خوش آمدید کہتی ہے۔دیگر الفاظ کو ہم آہنگ کرنے میں زیادہ عرصہ درکار نہیں ہوتا۔اگر کوئی لفظ اس کی طبیعت کے ناموافق ہوتا ہے تو اسے جوں کا توں رکھنے پر ہی اکتفا کرتی ہے۔اس طرح کے تال میل سے ادبیات کی سطح پر بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔زیادہ سے زیادہ تراجم سے جہاں تک اپنی زبان کو فروغ دیا جاتا ہے وہاں دوسری زبانوں سے واقفیت اور استفادہ کے لیے ان کی حمایت میں

بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے۔ اُردو والوں کو بھی اپنے تعصّباتی نقاب کو اتار کر دبستاتی حد بندیوں کو توڑ کر اپنی زبان کی عالمگیریت اور وسعت میں ممدومعاون ہونا چاہیے اور جہاں تک ممکن ہو سکے تلفظ، زبان اور صحت کی معیار بندی پر سخت گیری کی زنجیر اب توڑ دینی چاہیے۔ مقبول عام اور ورلڈ لیول کی زبان کو اس سطح پر مفاہمت کے در وا کرنا ہی پڑتے ہیں۔ اس عمل میں دیگر بڑی زبانوں میں انگریزی کی مثال سامنے رکھی جا سکتی ہے۔ اُردو تحریر کو صوتی تقاضوں اور نظام کے مطابق ڈھال کر املا کا طریقہ کار بھی سہل کر دینا چاہیے۔ اگرچہ جزوی طور پر اس کے بارے میں سوچا جا رہا ہے اور تھوڑی بہت لچک پائی گئی ہے مگر وسیع بنیادوں پر اس موضوع پر سوچنے کی اشد ضرورت ہے۔ اب بھی ایشیائی خطے میں رابطے کی زبان کے امکانات روشن ہیں۔ وقتی ضرورت ہے کہ اردو دوست احکام بالا کو اس نقطے کی طرف موڑیں۔ اسکی اہمیت کو باور کرائیں اور خود بھی کاوشیں تیز تر کر دیں۔ بھارت کے کچھ مخلص دوستوں کو اس بات پر آمادہ کریں کہ دیوناگری کے ساتھ ساتھ اردو رسم الخط کو فروغ دیں تو یوں اردو اور ہندی دونوں زبانیں بین الاقوامی سطح پر اپنا آپ سہولت سے منوا سکیں گی۔ اور اس طرح اُردو کے ساتھ ساتھ ہندی رسم الخط بھی ایشیائی ممالک کے درمیان نہ صرف رابطے کا ذریعہ بنے گا بلکہ بین الاقوامی سطح پر اپنا آپ منوالے گی اور یوں دونوں زبانوں کو فائدہ ہو گا۔

حوالہ جات

۱۔ وحید قریشی، ڈاکٹر، ''پاکستانی قومیت کی تشکیل نو''، لاہور 1984ص:124

۲۔ انور سدید، ''شمع اردو کا سفر'' مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، 1987، ص:7

۳۔ وحید قریشی، ڈاکٹر'' پاکستانی قومیت کی تشکیل نو'' لاہور 1984ء، ص:98

۴۔ ظفر، محی الدین، اردو یونیورسٹی اور قومی شناخت، مشمولہ: ماہ نامہ قومی زبان، (مدیر: ڈاکٹر ممتاز احمد خان) جلد نمبر 81، شمارہ نمبر3، انجمن ترقی اردو، کراچی2009، ص:31

۵۔ سلیم فارانی، ''اردو زبان اور اس کی تعلیم'' پاکستان بک سٹور، لاہور، 1953، ص:63

۶۔ طاہر فاروقی، پروفیسر، ''ہماری زبان مباحث ومسائل''، انجمن ترقی اردو، کراچی، 1992ء ص:111

۷۔ احمد خان علیگ، چودھری، ''اردو بطور سرکاری زبان''، انجمن ترقی اردو، کراچی، 1991ء ص:4

۸۔ وحید قریشی، ڈاکٹر'' پاکستانی قومیت کی تشکیل نو'' ص:100

۹۔ صلاح الدین، مولانا، ''اردو کی ترویج وترقی کے ذرائع''، ''ادبی دنیا''، لاہور، ص:127